مولانا حیدر مہدی ۔ لکھنؤ

عبادت

خداوند عالم نے اس دنیا کو مختلف طرح کے حسین وجمیل باغ، باغیچوں سے سجایا ہے کہیں آسمان کی دلکش قندیل ہے تو کہیں زمین کا وسیع فرش، کہیں اونچے پہاڑ ہیں تو کہیں سخت زمین، کہیں گہرے وسیع سمندر ہیں تو کہیں وسیع ریگستانی علاقہ اور کہیں صحرائی وجنگلی علاقہ ہے تو کہیں ہموار وشاداب زمین اور اس کی ہر تخلیق کا ایک مقصد ضرور ہے۔

نباتات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ جانوروں کی غذا بن سکیں، اور حیوانات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ انسانوں کے کام آئیں۔

غرض یہ کہ ہر مخلوق خدا کے حکم سے اور قضا وقدر الٰہی پر راضی ہے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ اللہ کے حکم کی اطاعت فرمانبرداری کر رہا ہے، اپنے مالک کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحلیل میں مصروف ہے۔ یہاں تک کہ فرشتگان آسمان کے درمیان کوئی حالت رکوع میں ہے تو کوئی سجدے کی حالت میں کوئی، حالت قیام میں ہے تو کوئی قعود میں ذکر الٰہی کر رہا ہے انھیں حقائق کی نشاندہی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ انسان جس کو خداوند عالم نے اشرف المخلوقات یعنی تمام موجودات پر فضیلت دی ہے وہی اپنے مالک کو بھلا بیٹھا ہے جبکہ خدا کی دیگر مخلوقات ہر وقت خدا کے ذکر میں مشغول رہا کرتی ہیں۔ موسیٰ نے خدا سے سوال کیا۔

پروردگار! تیرا سب سے زیادہ عبادت گذار بندہ کون ہے؟

ارشاد ہوا: اے موسیٰ دریا کے کنارے جاؤ وہاں تم خود ہی دیکھ لو گے کہ سب سے

زیادہ عبادت گذار بندہ کون ہے۔

موسیٰ دریا کے قریب گئے اور دیکھا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دریا میں جھکی ہوئی ہیں۔ اس شاخ پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔موسیٰ سمجھ گئے کہ یہ پرندہ ہی سب سے زیادہ عبادت گذار مخلوق ہے۔موسیٰ پرندہ سے مخاطب ہوئے اور سوال کیا۔"تم کب سے خدا کی عبادت کررہے ہو"؟

پرندہ نے جواب دیا۔ میں اس گوشہ میں سالہا سال پہلے سے عبادت خداوندی میں مصروف ہوں۔موسیٰ نے اس پرندہ سے دریافت کیا۔" کیا تیری کوئی دنیوی حاجت نہیں ہے۔

اس نے جواب دیا۔کوئی خاص حاجت تو نہیں ہے البتہ مجھے شدید پیاس کا احساس ہورہا ہے۔

موسیٰ نے کہا: تو پانی سے اتنا زیادہ قریب ہے کہ اپنی چونچ نیچے جھکا کر اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔

اس نے کہا: اے نبی خدا! میں پانی اس لئے نہیں پی رہا ہوں کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ لذت آب مجھے کہیں لذت عبادت سے محروم نہ کردے۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ خدا کی دوسری مخلوقات اس کے ذکر سے غافل نہیں ہیں۔

دوسری طرف ہر انسان یہ جانتا ہے کہ اس کو خلق کرنے والا خالق اکبر ہے اور وہی قابل پرستش اور قابل حمد وثنا ہے۔گویا وہ یہ جانتا ہے کہ اسکی خلقت کا ہدف کیا ہے۔ پھر بھی وہ یہ سوال کرتے ہوئے شرمندگی نہیں محسوس کرتا کہ ہمیں کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ مقصد معلوم ہوجاتا تو اسی مقصد وہدف کے مطابق اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کرتے۔ واضح رہے کہ مقصد تخلیق بالکل سامنے کی چیز ہے پھر بھی انسان اس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

پس خداوند عالم نے انسان کے اس کے سوال کا جواب اس طرح دیا ہے:

"وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون" (سورہ ذاریات آیت ۵۶)

عبادت لفظ "عبد" سے لیا گیا ہے اور عبادت کے لغوی معنی بندگی اور اطاعت کے ہیں۔ یعنی اپنے مولا سے سراپا تعلق برقرار رکھنا اور اس کی اطاعت میں ہرگز سستی کے شائبہ کا نہ ہونا۔ اور دوسرے لفظوں میں "عبودیت" یعنی معبود کے سامنے عجز و ناتوانی کا اظہار کرنا اور یہ عقیدہ و ایمان رکھنا کہ خدائے وحدہ لاشریک" کے علاوہ ہر چیز مخلوق کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ہر چیز پست و دنی اور فانی ہے۔ پس فقط خدا کی ذات ہے جس کے سامنے انسان تواضع اور کسی غیر خدا کے سامنے عاجزی و بندگی کا نہ مظاہرہ کرے اور نہ انکساری کا اظہار کرے۔ اور اصطلاحی معنی ہر اس کام کا انجام دینا جو خداوند عالم کی رضا و خوشنودی کا سبب ہو۔

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند عالم ہی ایک ایسی ذات ہے کہ جس سے تقرب کا نام عبادت و اطاعت ہے۔ خداوند عالم اس لفظ کو جن و انس کی خلقت کا بنیادی سبب قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

"وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون" (سورہ ذاریات آیت ۵۶)

بیشک ہر فرد عاقل و دانا جب بھی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے ہدف و عافیت کو ایک مقصد قرار دیتا ہے چنانچہ اس خدا کیلئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، جو سب سے زیادہ عاقل و دانا اور حکیم و علیم ہے، کہ وہ کسی چیز کو پیدا کرے اور وہ بے مقصد ہو۔ اس کے باوجود ہمارے ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟ کیا خدا کے پاس کسی چیز کی کمی تھی کہ جس کا وہ محتاج تھا اور اپنی احتیاج کو برطرف کرنے کے لئے خلق کیا جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ خدا کا وجود غنی بالذات ہے اور وہ ہر جہت سے کامل ہے۔

مذکورہ عبارت کی روشنی میں دو باتیں روز روشن کی طرح نمایاں ہو جاتی ہیں کہ خداوند عالم کا کوئی بھی فعل و عمل بغیر مقصد کے نہیں ہوتا۔ اور حقیقتاً یہ ہدف مخلوق ہی کی طرف پلٹتا ہے اور خدائے متعال ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

اس ہدف سے مختلف مرادیں لی گئی ہیں۔ لیکن ہماری بحث کا تعلق اسکی ایک مراد سے جس کو عبودیت وبندگی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ عبادت وبندگی اضطراری اور جبری نہیں ہونی چاہئے۔ اس صورت میں جبکہ اختیار انسان اسکے بالاترین کمالات میں سے تعارض پیدا کرتی ہے۔ پس وہ عبادت جو انسان کی خلقت سے ایک ہدف کے تحت چاہی گئی ہے وہ اختیاری ہونی چاہئے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

"انّا ھدیناہ السّبیل امّا شاکراً وّامّا کفوراً۔" (سورہ دھر آیت ۳)

پس وہ عبادت جو انسان سے بہ عنوان ہدف آفرینش چاہی گئی ہے وہ اس کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس راہ بندگی کو انسان کی طرف منسوب کیا ہے تاکہ انسان میل ورغبت کے ساتھ سیر عبودیت میں قرار پائے کیونکہ خدا انسان سے حقیقی بندگی چاہتا ہے۔ اور یہ مطالبہ خداوندی تشریعی ہے تکوینی نہیں۔ خدا کے تکوینی مطالبہ کے عملی رنگ وروپ اختیار کرنے میں انسانی اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مثلاً خداوند عالم کا ایک تکوینی مطالبہ یہ ہے کہ ہر انسان کو ایک ماں اور باپ کے وسیلہ سے پیدا کرے۔ خواست تکوینی خدا یعنی جس میں کسی کا دخل نہ ہو اور اسکا انجام پانا اضطراری اور جبری ہو۔

لیکن عبادت تشریعی ہے جس کی ادائیگی کے لئے انسان کو اختیار ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔

"وقضیٰ ربّک الاّتعبدوا الاّ ایّاہ۔" (سورہ اسراء۔ آیت ۲۳)

"تمہارے رب کا فیصلہ اور حکم یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔"

خدا کا یہ حکم تشریعی ہے اور اس کو انجام دینے کے لئے انسان کو اختیار ہے۔

مذکورہ باتوں سے روشن ہے کہ خلقت انسان کا مقصد بندگی پروردگار ہے اور جن اوامر ونواہی کو خدا انجام دیتا ہے اسے انسان یا غیر انسان کے سپرد کیا گیا ہے۔ امام صادقؑ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "خلقھم لیأمرھم باعبادۃ" (بحار ج ۵، ص ۳۱۴)

"خدا نے جن وانس کو پیدا کیا ہے تا کہ انھیں عبادت کا حکم دے۔"
خداوند عالم نے جن وانس کو بندگی کا راستہ دکھادیا اب وہ چاہے اس راستے کو اختیار کریں یا نہ کریں اور گمراہ ہو جائیں)
بہر حال خدا کی خلقت بیہودہ اور عبث نہیں ہے بلکہ جملہ تخلیقات کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔ اور وہ غرض عبادت اختیاری ہے لیکن بعض لوگوں نے اس اختیار سے سوء استفادہ کیا ہے۔
اگر ان امور میں مطالبہ خداوندی تکوینی ہوتا تو وہ نافرمانی کے راستے کو ہرگز نہ کھولتا اطاعت ونافرمانی کے راستے کی ایک ساتھ نشاندہی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو اپنے معبود کی بندگی کے سلسلے میں صاحب اختیار بنا کر بھیجا گیا ہے اور اسی جگہ سے انسان کے امتحان کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔
ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔
وھو الذی جعلکم خلٰٓئف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت لّیبلوکم فی مآ اٰتٰکم۔ (انعام آیت ۱۶۵)
"خدا وہ ہے کہ جس نے تمھیں زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر برتری دی تا کہ جو کچھ تمھیں عطا کیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔"
اور یہ اختلاف جو خدا نے بشر کے اندر قرار دیئے ہیں وہ ایک ایسا اختلاف ہے کہ جسے مورد آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی انسان ایک دوسرے پر امتیاز نہیں رکھتا۔ اس مطلب کی وضاحت امام محمد باقرؑ کی درج ذیل حدیث سے ہو جاتی ہے۔
امام فرماتے ہیں۔ "خداوند عالم نے اولاد آدم کو ان کی پشت سے خارج کیا تا کہ ان سے اپنی روایت اور انبیاء کی نبوت اور پیغمبری کا عہد وپیمان لے۔
خداوند عالم نے آدم سے فرمایا: غور کرو اس کی طرف کہ کیا دیکھ رہے ہو:
آدمؑ نے اپنی ذریت کی طرف نگاہ کی اور کہا: پروردگار! مجھے اور میری ذریت کو خلق

کرنے سے تیرا منشا کیا ہے؟ اور کس وجہ سے تو نے عہد و پیمان لیا ہے؟

خدا فرماتا ہے: اس لئے تاکہ وہ میری عبادت کریں، کسی کو میرا شریک قرار نہ دیں۔ ہمارے فرستادہ پیغمبروں پر ایمان لے آئیں اور ان کی پیروی کریں۔

آدمؑ نے فرمایا۔ خدایا۔ ان کی خلقت کس طرح سے ہے کہ ان میں سے بعض بزرگ ہیں۔ بعض کے نور زیادہ ہیں اور بعض کے کم ہے اور بعض بالکل بے نور ہیں۔

خداوند عالم نے فرمایا۔ میں نے انھیں جن حالات میں پیدا کیا ہے انھیں حالات میں انھیں آزماؤں گا۔ (اصول کافی کتاب۔ الایمان والکفر باب آخر ج ۲)

خداوند یہ چاہتا ہے کہ جس صورت میں پیدا کیا ہے بندے اس کا شکریہ ادا کریں اور اسکی اس طرح عبادت کریں کہ حقیقی بندوں میں شامل ہو جائیں۔

بندگی و قرآن:

قرآن مجید کے دامن میں ایسے واقعات محفوظ ہیں جن کی روشنی میں عبودیت کا نورانی جلوہ دیکھا جاسکتا ہے۔

آیئے جناب ابراہیمؑ کے اس واقعہ پر نظر ڈالتے ہیں جسے قرآن نے البلاغ المبین'' کے نام سے یاد کیا ہے جو ہمارے لئے درس عبرت ہیں۔

ضعیف باپ نے خواب میں دیکھا کہ میں حسین جوان فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا ہوں۔ وہ متواتر کئی شب یہ خواب دیکھتے رہے جب حکم الٰہی سے مطلع ہوگئے تو اپنے فرزند سے عرض کیا۔ اے نور نظر میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بیٹے نے خواب سنتے ہی بغیر کسی تامل کے جواب دیا۔ ''یا ابنا افعل ماتو مر'' اے بابا جو حکم دیا جا چکا ہے اس پر بخوشی آپ عمل کریں بندگی کی یہ وہ اعلیٰ ترین مثال ہے جہاں عقل بشر ششدر رہ جائے کہ ایک جوان نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے کس طرح رضا مندی کے ساتھ بندگی کا ثبوت دیا۔

قرآن مجید نے باپ اور بیٹے کی اس بے لوث جذبہ قربانی کی ان لفظوں میں ستائش کی ہے۔" فلما اسلما " جو حقیقت بندگی کا مظہر ہے۔ یعنی باپ اور بیٹے دونوں نے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے حقیقت بندگی کا ثبوت دیا لیکن روح بندگی کچھ اور ہی ہے۔ اور وہ ہے قربت خدا کی آخری منزل جہاں بندہ اپنی عاجزی اور خداوند ذوالجلال کی عظمت کے تصور کے ساتھ ہی اپنی پیشانی خاک پر رکھدے۔ اور صرف زبان ہی نہیں بلکہ تمام اعضاء وجوارح بلکہ جسم کا رویاں رویاں زبان حال سے کہہ اٹھے۔ سبحان ربّی الاعلیٰ وبحمدہ "

خاصان خدا ہر حال میں اپنے مالک کو یاد رکھتے ہیں چاہے ان پر خدا نعمات نازل کرے یا ان سے نعمتوں کو سلب کر کے ان کا امتحان لے قرآن گواہ ہے جناب ایوب بہت زیادہ ثروتمند اور بہت زیادہ اولاد والے تھے لیکن جب خدا نے ان کا امتحان لینا چاہا تو ان سے تمام نعمتیں سلب کر لیں مال واولاد ختم ہوگیا قرآن نے اس مصیبت کو اس طرح بیان کیا۔

" وایّوب اذ نادیٰ ربّہ انی مسّنی الضّر وانت ارحم الرّحمین " (سورہ انبیاء ۸۳)

" ایوب نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ بیشک مجھ پر مصیبت آپہونچی ہے اور تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

قرآن مجید نے مردوں کے علاوہ ایک ایسی خاتون کی بندگی کو بیان کیا ہے جو ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ جناب مریمؑ مادر عیسیٰؑ خدا کی کنیز خاص تھیں ان کی عبادت وبندگی کا نتیجہ تھا کہ خدا نے انھیں بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اذا قالت الملائکۃ یا مریم ان اللّٰہ یبشّرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم (سورہ آل عمران ۴۵)

اے مریم! ہم نے تمھیں ایک کلمہ کی خوشخبری سنائی ہے اور وہ کلمہ الٰہی ہے جس کا نام ہم نے عیسیٰ ابن مریم قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد جب جناب عیسیٰ نے اپنی

ماں سے پوچھا۔ اے مادر گرامی کیا آپ دنیا میں آنا چاہتی ہیں۔ عیسیٰ نے سنا کہ ماں نے لبیک کہا۔ عیسیٰ نے پوچھا۔ مادر گرامی آپ کیوں دنیا میں آنا چاہتی ہیں؟ جواب دیا:

اے فرزند عزیز! میں دنیا میں اس لئے آنا چاہتی ہوں تا کہ گرمیوں کے دنوں میں سخت ایام میں روزہ رکھوں اور سردی کی شدت میں شب بیداری کروں۔ (ہمارے لئے یہ تعجب آور بات ہے کہ وہ خاتون جو جنت کے بالاترین درجہ کی حامل ہے وہ دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے وہ بھی ایک ایسی خاتون جس کے لئے دنیا میں نہ کوئی گھر نہ خاوند اور نہ ہی ہماری طرح لذیذ غذاؤں سے کوئی لگاؤ ہے یہ خواہش وتمنا صرف اس لئے ہوسکتی ہے تا کہ اپنے معبود حقیقی کی عبادت وبندگی بجالائے۔

حقیقی عبادت:

معارف اسلامی کا ایک مسلم اصول یہ بھی ہے کہ عبادت میں اخلاص شرط ہے۔ ''وما اُمروا الاّ لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدّین'' (سورہ بینہ ۵)

اخلاص کے بالاترین مراتب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان ہوا وہوس کی اطاعت نہ کرے کیونکہ جہاں خواہشات ہوں گی ہوائے نفس کا وجود ہوگا۔ اور ایسی جگہ حتی شرک بھی حاضر رہتا ہے ہوائے نفس کی اطاعت ظاہراً شرک نہیں ہے لیکن دقیق ترین مفہوم سے دیکھا جائے تو عظیم ترین شرک ہے یعنی توحید کے اقرار کے ساتھ غیر خدا کی عبادت وپرستش کرنا اس لئے کہ توحید کا صرف ایک درجہ ومرتبہ نہیں ہے یہاں تک حدیث میں آیا ہے۔

ان دبلب الشرک فی القب اخفی من دبلب نملة سودا علیٰ الصخر الصحاء فی اللیله الظلماء'' (بحار الانوار ۷۲ باب ۹۸ ص ۹۶)

مخفیانہ شرک انسان کے دل میں اس طرح چھپا ہوتا ہے جس طرح سے ایک سیاہ چیونٹی شب کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر حرکت کر رہی ہو۔''

عبادت حقیقی تو یہ ہے کہ مولائے متقیان حضرت علی فرماتے ہیں۔

''ماعبدتک خوفا من نارک ولاطمعا فی جنتک بل وجوتک اهل العباده فعبدتک''(بحارج ۴۱ص ۱۴ باب ۱۰۱)

حقیقی عبادت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب اس میں درجہ ذیل شرائط موجود ہوں۔

اخلاص:

لفظ اخلاص ''خلص'' سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے خالص کرنا۔ شفاف و زلال۔ یعنی جس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو) اور یہاں پر اسی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اخلاص۔ یعنی نیت کو تمام نواقض وشبہات سے خالص کرنا ہے۔

کیونکہ خلوص نیت ہر کام کی بنیاد اور اساس ہے جس کی زیادتی قرب خدا کا موجب ہے۔ اور یہ اخلاص انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور ابدی ترقی کا باعث ہے۔قرآن نے مسئلہ اخلاص کومختلف طریقہ سے بیان کیا ہے۔

۱۔ الا لِلّٰہ الدّین الخالص۔''(سورہ زمر آیت ۳)

۲۔الاّ الّذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینھم للہ۔

(سورہ نساء آیت ۱۴۶)

کتاب کافی میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

خوشحال اور خوشبخت ہے وہ شخص جو اپنی عبادت ودعا کو خالصانہ خدا کے لئے انجام دے اور اس کا دل اس کی طرف توجہ نہ دے جسے اس کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اور جو کچھ ان کے کان سنتے ہیں وہ انہیں یادخدا سے غافل نہیں کرتے اور جو چیز کسی دوسرے کو عطا کی جاتی ہے اس سے حسد نہیں کرتے۔

مراتب اخلاص:

اخلاص کے مختلف مراتب ودرجات ہیں۔

مرتبہ شاکرین:

یہ وہ افراد ہیں جو خدا کی لامتناہی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں اور اس کے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ ''وان تعدّوا نعمة الله لاتحصوها'' اور مولا علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں وہ لوگ جو عبادت کرتے ہیں ان کے تین گروہ ہیں۔

۱۔ وہ گروہ جو اجرو ثواب کے اشتیاق میں عبادت کرتے ہیں جسے تاجرانہ عبادت کا نام دیا جاتا ہے۔

۲۔ وہ گروہ جو خوف خدا اور عذاب الٰہی کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔ ایسی عبادت کو غلامانہ عبادت کہا جاتا ہے۔

۳۔ وہ گروہ ہے جو خدا کا شکر بجالانے کے لئے عبادت کرتا ہے۔ اسے آزادگانہ عبادت کہتے ہیں۔

مرتبہ مقربین:

یہ وہ لوگ ہیں جو قرب خدا کی خاطر عبادت کرتے ہیں۔

قربت خدا یعنی خدا سے نزدیک ہونا ممکن ہے کہ نزدیکی مرتبہ کمال ہو یا اس نزدیکی سے ارتباط اور محبت مراد ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی کا دوست ہے وہ مغرب میں ہے اور اس کا دوست مشرق میں لیکن دونوں کے تعلقات خط وکتابت اور ٹیلفون کے ذریعہ برقرار ہے دوری کے باوجود قربت موجود ہے یا اسکے برعکس یہ کہ بعض تو نہایت قریب ہوتے ہیں لیکن تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے بہت دور ہیں۔

خدا سے قربت یعنی ذکر و عبادت سے روابط کو برقرار رکھا جانا۔

مرتبہ اہل حیاء:

یہ وہ حضرات ہیں جن کا مقصد طاعت وعبادت میں اپنے مالک سے شرم وحیا کرنا

ہے کیونکہ انھیں اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن سے بھی آگاہ ہے ذہنوں کے فتور سے آگاہ ہے لہذا وہ اپنی بدبختی اور خدا کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے سامنے حیا وشرم محسوس کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"اعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"

"خدا کی عبادت کرو اس طرح گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔" لقمان حکیم اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں۔

اے مرے فرزند جب گناہ کا ارادہ کرو تو ایسی جگہ اختیار کرو جہاں خدا نہ دیکھ رہا ہو۔

مرتبہ متلذذین:

یہ خدا کے وہ خاص بندے ہیں جو دنیا کی لذات ونعمات کو ترک کر کے عبادت وذکر خدا سے لذت حاصل کرتے ہیں امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"بہتر افراد وہ ہیں جو عبادت کی نسبت عشق ومحبت رکھتے ہیں اور دل سے اسے محبوب رکھیں اور اعضاء وجوارح سے انھیں انجام دیں اور اس کے لئے اپنے کو ہر طرح کی فکر سے خالی رکھیں۔ ایسے شخص کے لئے مساوی ہے چاہے سختی میں زندگی گذارے یا امن وسکون میں"

مرتبہ محبین:

یہ خدا کے وہ عبادت گذار بندے ہین جو عبادت وطاعت کے ذریعہ بالاترین درجہ تک پہونچے ہوئے ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے "یحبّھم و یحبّونہ"

"خدا انھیں محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں"

مولائے کائنات اپنے معشوق حقیقی سے اظہار عشق ومحبت اس طرح کرتے ہیں:

"صبرت علیٰ عذابک فکیف اصبر علیٰ فراقک" (دعای کمیل) اور امام سجادؑ مناجات انجیلیہ میں فرماتے ہیں "تیری عزت کی قسم! میں تجھ سے اس قدر عشق و محبت رکھتا ہوں کہ تیری محبت کی چاشنی میرے قلب میں رچ بس گئی ہے اور میری جان میں اس

کی وجہ سے شادابی آگئی ہے۔

مرتبہ عارفین:

یہ وہ اہل معرفت بندے ہیں جو خدا کو شائستہ اور لائق عبادت سمجھ کر اور کمال مطلق جان کر اس کی عبادت کرتے ہیں اہل معرفت اس طرح خدا کے سامنے دعا کرتے ہیں جیسے انھوں نے معرفت حاصل نہ کی ہو امام سجاد مناجات خمس عشر میں فرماتے ہیں "واجعلنا من اخص عارفیک واصلح عبادک واصدق طائعیک واخلص عبادک"

مرتبہ اہل طمع:

جو اجر یا پاداش کی طمع و لالچ وخوف عذاب سے نجات کے لئے عبادت کرتے ہیں قرآن فرماتا ہے: "ربّنا آتنا فی الدّنیا حسنة وّفی الاخرة حسنة وّقنا عذاب النّار"

نمونہ اخلاص:

ابن عباس کہتے ہیں: امام حسنؑ وامام حسینؑ جب بیمار ہوئے تو رسول خداؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، کچھ لوگوں نے حضرت علیؑ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے فرزندوں کی صحت یابی کے لئے نذر کریں۔

حضرت علیؑ حضرت فاطمہ زہرا (س) اور ان کی کنیز حضرت فضہ نے نذر کی کہ اگر ان کے دونوں بچے صحت یاب ہوگئے تو وہ تین دن تک روزے رکھیں گے۔ پس ان کے لخت جگر صحتیاب ہوگئے اور بیماری کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ تو انھوں نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے تین دن تک روزے رکھے اور افطاری کے لئے "جو" کسی سے قرض لیا تا کہ اس سے روٹی پکائی جاسکے۔ افطار کے وقت پہلے دن مسکین۔ دوسرے دن یتیم اور تیسرے دن اسیر نے ان کے دروازہ پہ دستک دی اور کھانا مانگا۔ اس عظیم گھرانے نے ایثار کیا اور تینوں روز اپنا کھانا اٹھا کر ان کو دے دیا اور خود تینوں روز فقط پانی سے روزہ افطار کیا۔

چوتھے روز حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ وحسینؑ کو پیامبر گرامی کی خدمت میں لیکر گئے اس حالت میں کہ وہ بھوک سے نڈھال اور تھرتھرا رہے تھے۔ یہ منظر حضرت پیغمبر اکرمؐ کو نہایت پریشان کئے تھا۔ آنحضرت ان سب کے ساتھ حضرت زہرا(س) کے گھر تشریف لائے جبکہ حضرت زہراؑ اس حال میں تھیں کہ بھوک کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے اور نماز پڑھ رہی تھیں۔ نبی اکرمؐ پر یہ منظر بہت گراں گذرا اور وہ بہت افسردہ ہوئے، اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور پیامبر اکرمؐ کے ایسے جلیل القدر اہلبیتؑ ہونے کے سلسلے میں انھیں مبارکباد دی اور سورہ ''ھل اتیٰ'' آنحضرت کے لئے تلاوت کیا۔ (کشاف ج ۴ ص ۶۷۰)

عمل میں اخلاص اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اس سلسلے میں حدیث قدسی میں آیا ہے کہ یہ ''الاخلاص من شرمن اسراری استودعتہ قلب من اجبت من عبادی'' " اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے کہ جسے میں اپنے محبوب بندے کے دل میں قرار دیتا ہوں۔'' (میزان الحکمہ ج ۳ ص ۵۷)

اور مزید بحث سے قبل ضروری ہے کہ حضور قلب کی بحث کردی جائے جس کا عبادت سے بہت گہرا تعلق ہے۔

❖❖❖